یہ کتاب مفت تقسیم کی گئی

# رسمِ جہیز

## قرآنِ مجید کی روشنی میں


مُحمّد نِیاز


یہ کتاب مُفت تقسیم کی گئی


شائع کردہ

**اَلرَّحمٰن پبلِشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)**

وَن - اَے، قطار نمبر ۷، مکان نمبر ۳ ناظم آباد کراچی - ۷۴۶۰۰

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿٢٩﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿٣٠﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَاۗىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿٣١﴾

(سُورۃُ النِّسَآء۔ آیات ۲۹ تا ۳۱)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ۔ لین دین ہونا چاہئے آپس کی رضامندی سے۔ اور اپنے نفوس کو قتل نہ کرو۔ بے شک اللہ تم پر رحیم ہے اور جو شخص ظلم و سرکشی سے ایسا کرے گا، اُس کو ہم آگ میں جھونک دیں گے۔ اور یہ اللہ کے لئے سہل ہے۔ تمہیں جن باتوں سے منع کیا جاتا ہے۔ وہ کبائر ہیں۔ اگر تم اُن سے باز رہو گے تو ہم تمہارے صغائر معاف کر دیں گے اور تم کو عزت کا مقام عطا کریں گے۔''

سامنے والے صفحہ پر درج قرآنِ مجید کی اِن آیات کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو ہدایات دی ہیں۔ وہ بجائے خود واضح ہیں۔ تاہم اِن کی مزید وضاحت یوں کی جا سکتی ہے۔

١ مسلمان ایک دوسرے کا مال باطل طریقوں سے نہ کھائیں۔

٢ لین دین ہونا چاہیے مگر آپس کی رضامندی سے ہونا چاہیے۔ اگر آپس کی رضامندی سے لین دین ہو تو یہ طریقہ باطل نہیں۔

٣ جو لین دین آپس کی رضامندی سے نہ ہو، وہ ایک دوسرے کو، نیز اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے مترادف ہے۔

٤ یہ اللہ تعالیٰ کی شانِ رحیمی ہے کہ وہ مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ہاتھوں نیز اپنے ہاتھوں آپ، ہلاک ہونے سے بچانا چاہتے ہیں۔

٥ جو مسلمان اِن واضح ہدایات کے بعد بھی ایک دوسرے کا مال باطل طریقوں سے کھائیں، وہ ظالم ہیں، سرکش ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کو اِس ظلم و سرکشی کے سبب آگ میں جھونک دیں گے۔

٦ جن باتوں سے اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا ہے، وہ کبائر ہیں۔ یعنی بڑے بڑے گناہ، اِن کے علاوہ کچھ صغائر ہوتے ہیں، یعنی چھوٹے موٹے گناہ۔ یہ چھوٹے موٹے گناہ اِس صورت میں قابلِ معافی ہوں گے جب لوگ بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کریں۔

٧ جو لوگ کبائر سے پرہیز کریں گے، اللہ تعالیٰ اُن کے صغائر معاف کر دیں گے اور اُنہیں عزت کا مقام عطا کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کی اِن ہدایات میں نہ ''صنعتِ ابہام'' ہے نہ ''علامتی اسلوب''

ہے سب اَلفَاظ صَاف صَاف ہیں۔ پھر بھی چند اُمُور ہیں جن کی مَزِید وَضَاحَت کی جَاسَکتی ہے۔ مَثلاً یہ تو وَاضح ہے کہ لَین دَین کا ہَر وہ طَرِیقہ بَاطِل ہے جو آپَس کی رَضَا مَندِی سے نہ ہو۔ مگر خُود ''آپَس کی رَضَا مَندِی'' کی عَمَلی مِثَالیں کیا ہیں؟

پھر جہاں بَاطِل طَرِیقوں سے ایک دُوسَرے کا مَال کھَانے کو حرام کیا گیا ہے وَہاں یہ صَغَائِر وکبَائر کا ذِکر کِس لئے ہے؟ مَزِید برآں آپَس کی رَضَا مندِی کے بغَیر ایک دُوسَرے کا مَال کھَانے کو ایک دُوسَرے کو ہَلاک کرنا، کیُونکر قَرار دِیا گیا ہے؟

مَشہُور مُتکلّمِ اِسلام مَولاَنا سَیّد ابُوالاعلیٰ مَودُودِی علیہِ الرّحمۃ وَضاحت فرمَاتے ہیں:

- ''آپَس کی رَضَا مَندِی سے مُرَاد یہ ہے کہ لَین دَین نہ تو کِسی نَاجَائز دَبَاوَ سے ہو اَور نہ فَریب ودَغَا سے۔
- رِشوَت اَور سُود میں بظَاہر رَضَا مَندِی ہوتی ہے، مَگر فِی الوَاقع وہ رَضَا مَندِی مجبُورَانہ ہوتی ہے اَور دَبَاوَ کا نتیجہ ہوتی ہے۔
- جُوئے میں بظَاہر رَضَا مَندِی ہوتی ہے مگر درحقیقت جُوئے میں حِصّہ لَینے وَالا ہر شخص اِس غلَط اُمّید پر رَضَا مَند ہَوتا ہے کہ جیت اُس کی ہوگی، ہَارنے کے اِرَادَے سے کوئی رَاضِی نہیں ہَوتا۔
- جَعل اَور فَریب کے کَارَوبَار میں بظَاہر رَضَا مَندِی ہَوتی ہے مگر اِس غلَط فہمِی کی بِناء پر ہوتی ہے کہ اَندر جَعل اَور فَریب نہیں ہے اَگر فرِیقِ ثَانِی کو معلُوم ہو کہ تُم اُس سے جَعل یا فَریب کر رَہے ہو تو وہ ہَرگز اُس پر رَاضِی نہ ہو۔

(تفہیم القرآن۔ جلد اَوّل صَفحہ ۳۴۵۔ حَاشِیہ ۵۰)

مَولاَنا مَرحُوم ایک سِیَاسِی پَارٹِی کے بَانِی ہُوئے ہیں، اِس لئے بَعض لوگوں کو اُن سے سِیّاسِی اِختلاَفات ہو سَکتے ہیں، لیکِن یہ حقیقت ہے کہ اُن کی عِلمِی فتُوحَات سے اِنکَار کے دَلاَئِل کِسی کے پَاس موجُود نہیں۔ مَندرجہ بَالا آیَات کے حوَالے سے

مولانا نے ''باہمی رضامندی'' کی جو وضاحت فرمائی ہے، اُس میں نہ وہ تنہا ہیں اور نہ برسرِ خطا ہیں۔ معلوم ہُوا کہ لین دین میں اِعتبار آپس کی اُس رضامندی کا نہیں جو بظاہر تو رضامندی ہو مگر حقیقت میں رضامندی نہ ہو بلکہ مجبوری یا دباؤ ہو۔

مولانا مرحوم نے رشوت، سُود، جُوئے اور جعل وفریب کی جو مثالیں دی ہیں، اُن میں اِستیعاب نہیں۔ یعنی مرحوم نے اُن میں کچھ تمام ممکنہ مثالیں جمع کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ اِس لئے اُن مثالوں پر مزید مثالوں کا اِضافہ کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً

☆ اُس مزدور اور کارکُن کی رضامندی بھی، درحقیقت رضامندی نہیں، جس کا مالک بے ایمانی اور ظلم سے کام لے کر، پُوری مزدوری یا معاوضہ ادا نہیں کرتا لیکن کارکُن بے روزگار ہوجانے کے ڈر سے کٹوتی پر کچھ نہیں بولتا۔

☆ وہ چندہ بھی درحقیقت آپس کی رضامندی سے نہیں ہوتا جو شرما حضوری میں دیا جائے، کیُونکہ یہاں بھی بظاہر رضامندی ہوتی ہے مگر حقیقت میں شرما حضوری کا دباؤ ہوتا ہے۔ خواہ چندہ کسی نیک کام کے لئے کیوں نہ طلب کیا جائے۔

☆ وہ ہدیہ وتحفہ بھی آپس کی رضامندی سے نہیں ہوتا جو رسم ورواج کی مجبورانہ پابندی یا کسی کی رِیس میں آکر پیش کیا جائے کیُونکہ اِس میں بھی ناجائز دباؤ موجود ہے۔

اور اِن مثالوں میں ایک مثال کا اِضافہ ''جہیز'' ہے، جو اِس وقت میرا اَصل موضوعِ گفتگو ہے۔

برِّصغیر پاک وہند کے معاشرہ میں کچھ مُسلمانوں پر مُشتمل وہ قسم بھی پائی جاتی ہے جو شادی بیاہ میں جہیز کو لازمی جُزو مانتی ہے۔ اِن مُسلمانوں کے نزدیک

جہیز کے بغیر شادی بیاہ کا تصوّر ہی عجیب ہے، جہاں تک مجھے معلوم ہے سرحد کے غیوّر مسلمان جہیز کے نام پر لڑکی والوں کی طرف سے چیزیں لینے کو اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ ایسا ہی مَیں نے سندھ کے مسلمانوں کے بارے میں سنا ہے اگر یہ حقائق ہیں تو سرحد اور سندھ کے غیوّر مسلمانوں کے لئے قابلِ فخر حقائق ہیں۔ کیونکہ اسلامی شریعت میں فی الواقع جہیز کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ پورے قرآن میں جہیز کا کوئی ذکر موجود نہیں۔ نہ وضاحتاً نہ اشارتاً۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تقریب نکاح کی جو صورت ہوئی تھی۔ بے شک بعض حضرات اسے جہیز کی تائید میں لانے کی کوشش کرتے ہیں مگر یہ کوشش یا تو کسی غلط فہمی کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے یا اُس میں بدنیتی کا دخل ماننا پڑتا ہے کیونکہ اس تقریب نکاح کے موقع پر بلا شبہ لکڑی کا پیالہ، گھڑا، چٹائی، تکیہ، چکّی، چادر وغیرہ چند چیزوں کی خریداری بعض اصحاب نے نبیؐ کے ارشاد کے تحت کی تھی اور یہ چیزیں اس مکان میں رکھوائی گئی تھیں، جہاں بی بی فاطمہؓ کو ازدواجی زندگی کا آغاز کرنا تھا مگر ان چیزوں کی خریداری کیوں اور کس طرح عمل میں لائی گئی تھی؟ اس کی تفصیلات کچھ اس طرح ہیں۔

یہ واقعہ ہجرت کے بعد مدینے کا ہے جہاں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر دروازہ نہیں تھا کیونکہ اُن کے والد ابو طالب کا گھر تو مکّے میں تھا اور معلوم ہے کہ گھر دروازہ کوئی جائیداد منقولہ میں سے نہیں ہوتا جس کو اٹھا کر وہ اپنے ساتھ مدینے لا سکتے پھر مدینے میں جب اُن کا اپنا گھر ہی نہیں تھا تو گھر کا سامان اور اُس کے لوازم گھڑا، پیالہ، چکّی، چٹائی وغیرہ کیوں ہوتے؟

ایسے میں حضرت علیؓ نے بی بی فاطمہؓ کی خواستگاری کی، مگر فطری شرم وحیا کے سبب آنحضورؐ کی خدمت میں براہِ راست و بالمشافہ درخواست پیش نہ کر سکے

بعض اصحابؓ نے آپ کی درخواست حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کی۔ اس پر حضور ﷺ نے استفسار فرمایا:۔ علیؓ کے پاس کیا ہے؟ جواب دیا گیا:۔سواری کے لئے جانور، جہاد کے لئے تلوار اور جہاد میں تحفّظ کے لئے زرہ۔ حضور ﷺ نے فرمایا:۔ سواری کا جانور اور تلوار مجاہد کے لئے ضروری سامان ہیں۔ وہ زرہ فروخت کردیں۔ قصّہ کوتاہ! حضرت علیؓ نے اپنی زرہ فروخت کردی۔ خریدار حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوئے تھے اس فروخت سے جو رقم حاصل ہوئی، انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کردی حضور ﷺ نے بعض صحابہؓ کو حکم دیا وہ خوشبو، چادر، تکیہ، چٹائی، پیالہ، چکّی وغیرہ خرید لائیں اس رقم کا ایک حصہ حق مہر کے لئے محفوظ کرلیا گیا اور ایک حصّے سے یہ خریداریاں ہوئیں۔ یہ ساری خریداریاں اس رقم سے کی گئیں جو حضرت علیؓ کی زرہ کی قیمت میں ملی تھی۔ بھلا بتایئے کہ اس رقم سے خریدی ہوئی ان چیزوں کو حضور ﷺ کی طرف سے بی بی فاطمہؓ کے لئے جہیز کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے؟ ہم کہتے ہیں، یہ خریداریاں بھی نہ ہوتیں، بلکہ عین ممکن ہے کہ زرہ فروخت کرنے کی نوبت ہی نہ آتی اگر حضرت علیؓ کا اپنا گھر اپنے تمام تر سامان و لوازم کے ساتھ مدینے میں موجود ہوتا یا وہ مکّے میں ہوتے جہاں اُن کے والد جناب ابوطالب کا گھر در سب کچھ موجود تھا اس واقعہ سے یہ بات تو ضرور ثابت ہوتی ہے کہ جس آدمی کے پاس خدا کے نام کے سوا کچھ بھی نہ ہو مگر وہ خدا پرست ہو، تو اُسے دُنیا کی قیمتی سے قیمتی لڑکی دے دینا سُنّت ہے مگر یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ شادی میں جہیز دینا بھی نبیؐ کی سُنّت ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ جو مختصر مگر بنیادی سامان ضرورت ایک بالکل نیا کنبہ آباد کرنے کے لئے خاتم النّبیین صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مال سے نہیں بلکہ بی بی فاطمہؓ کے ہونے والے شوہر کے مال

سے خریدا گیا، وہ جہیز کیونکر ہوا؟

حقیقت یہ ہے کہ اِس جہیز کا کوئی شرعی ثبوت پیش نہیں کیا جا سکتا جو دُنیا کے ایک حصّے کے اندر، تھوڑے سے مسلمانوں میں رائج ہے یہ مسلمان ہندوستان اور پاکستان میں پائے جاتے ہیں۔ پھر سوال یہ ہے کہ یہ چیز اِن مسلمانوں میں آئی تو آئی کہاں سے؟ جواب یہ ہے کہ ہندوستان کے کفّار و مشرکین سے آئی، مطلق العنان بادشاہوں کے زمانوں میں اُن عورتوں کے ذریعے آئی جو اسلام قبول کرتی تھیں اور مسلمان اُنہیں اپنی زوجیت میں قبول کر لیتے تھے۔

جہیز کے سراسر ہندو رسم ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ خود برّصغیر کے مسلمانوں میں ہر جگہ یہ رسم نہیں پائی جاتی مگر ہندوؤں میں ہر جگہ پائی جاتی ہے۔

اَصل میں ہندو سماج کے اندر لڑکیوں کے لئے باپ کے مرنے کے بعد وراثت میں کوئی حصّہ نہیں تھا۔ اِس لئے اپنی لڑکیوں کی شادی کے موقع پر ہندو ''دان'' یعنی جہیز دیا کرتے تھے۔ اصلاً ''دان'' کا ترجمہ ''جہیز'' غلط ہے، کیونکہ دان کے معنی ''خیرات'' عطیہ اور دہش'' کے ہیں۔ جبکہ جہیز کے معنی تیاری اور سامانِ تیاری کے ہیں مگر جن لوگوں نے دان کو جہیز کہا شاید وہ بڑے چالاک لوگ تھے۔ ہندو سماج میں اُس دان کی فی الواقع حیثیت خیرات ہی کی تھی کیونکہ ہندو اپنی لڑکیوں کو ''آدھین'' سمجھتے تھے۔ جس کے معنی ''دستِ نگر'' کے ہیں۔ اب اِس دستِ نگر مخلوق کو، جس کا کوئی حق باپ کی ملکیت میں تسلیم شدہ نہیں تھا گھر سے رُخصت کرتے وقت وہ جو کچھ ہاتھ اٹھا کر دے دیتے تھے، اُس کی حیثیت خیرات ہی کی ہو سکتی تھی۔ اُس خیرات کی کوئی مقدار متعیّن نہیں تھی اور ظاہر ہے خیرات، خیرات ہے اُس کی مقدار کیا متعیّن ہوتی؟ تاہم غریب لڑکے والے زیادہ

سے زیادہ ''دان'' کی توقع رکھتے اور غریب لڑکی والے کم سے کم ''دان'' میں کام چلانا چاہتے تھے البتہ مالداروں کی بات دوسری تھی۔ بتدریج اِس ''دان'' نے ایک رسم کی صورت اختیار کرلی اُس رسم سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ہندو اپنی عیب دار لڑکیاں بھی کسی بے عیب لڑکے کے سرمنڈھ دینے میں کامیاب ہوتے تھے۔ ہندو سماج کے اندر سُسرال میں ''آدرمان'' (یعنی عزت و وُقعت) اُسی لڑکی کا ہوتا، جس کے والدین یا سرپرست مالدار ہوتے اور زیادہ سے زیادہ ''کنیا دان'' یعنی جہیز دیتے تھے۔ البتہ اگر زیادہ سے زیادہ دان کے ساتھ ساتھ لڑکی بھی خوبصورت اور سمجھدار مل جاتی تو سونے پر سہاگہ سمجھا جاتا تھا مگر کسی عقلمند اور خوبصورت لڑکی کی بھی کوئی وُقعت نہیں ہوتی تھی اگر وہ ''دان'' کے معاملے میں کمزور ہوتی۔

ہندو سماج میں باپ کے مرنے کے بعد اُس کی چھوڑی ہوئی کُل جائیداد کا تنہا وارث اور مالک اُس کا بڑا لڑکا ہوتا تھا۔ اُسی اُصول کے تحت راجہ دسرتھ کے مرنے کے بعد اُن کے دُوسرے لڑکے بھرت نے تخت نشین ہونے کی جرأت نہیں کی تھی حالانکہ بڑے لڑکے رام چندر جی مشہور واقعہ ''بن باس'' کے تحت راج محل اور تخت و تاج سے دُور بہت دُور ''بندرابن'' میں تھے۔ بھرت کی ماں نے رام چندر جی کے بن باس کا چکر ہی اِس غرض سے چلایا تھا کہ رام چندر جی بن میں ہوں گے، راجہ دسرتھ کا ''دیہانت'' (وفات) ہو جائے گا، اُس وقت اُسے موقع مل جائے گا کہ رام چندر جی کی عدم موجودگی سے فائدہ اُٹھا کر بھرت کو راج سنگھاسن پر بٹھوا دے بھرت کی ماں کیکئی نے ہندو سماج کے ایک مسلمہ ''نیم'' (اُصول) کے خلاف سوچا اِسی لئے وہ آج تک ہندو سماج میں مطعون ہے مگر اُس کے بیٹے بھرت نے اُصول کی قیمت پر ماں کی بات کو تسلیم نہیں کیا اِس لئے ہندو سماج رام چندر جی

کے ساتھ ساتھ بھرت کو بھی ''دیوتا'' مانتا ہے۔

کہانی دلچسپ ہے مگر میں نے یہاں دلچسپی کے لئے نقل نہیں کی اس پر اک ذرا روشنی ڈالنے سے مقصود یہ بتانا ہے کہ ہندو سماج میں باپ کے مرنے کے بعد اس کی چھوڑی ہوئی کل جائیداد کا تنہا وارث اور مالک اس کا بڑا لڑکا ہوتا تھا۔ اسی لئے مرنے والے کی بیوی تک (یعنی وارث لڑکے کی ماں) اپنے لڑکے کی ''آدھین'' یعنی دستِ نگر ہو جاتی تھی، بہن کا تو شمار ہی کیا؟

اسلام نے ''دان'' یا خیرات کا مستحق جن لوگوں کو قرار دیا ہے اُن کی فہرست اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید میں موجود ہے اس فہرست میں وہ لڑکی شامل نہیں، جس کی شادی ہو رہی ہو، اسلام نے لڑکی کو اُس کے باپ کے مرنے کے بعد اس کی چھوڑی ہوئی جائیداد میں سے ترکہ دینا فرض قرار دیا ہے ترکے میں لڑکی کا حصہ مقرر ہے یہ مقررہ حصہ لڑکی کا حق ہے اس حق کو ادا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے:

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ

(سُورۃُ النِّسآء۔ آیت ۱۱)

''تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تعالیٰ تمہیں تاکید کرتے ہیں کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ اگر میّت کی وارث، دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو انہیں ترکے کا دو تہائی دیا جائے اور اگر ایک ہی لڑکی وارث ہو تو

آدھا ترکہ اس کا ہے۔''

مگر کیا ستم ظریفی ہے کہ جہیز کو شادی کا لازمی جزو ماننے والے مسلمان بالعموم قرآن کے اِس حکم کو خاطر میں نہیں لاتے مگر شادی میں لڑکی کو جہیز دینے کے نام پر داماد کو خیرات دینے کا مشرکانہ رواج ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ اِن مسلمانوں نے لڑکی کے ترکہ اور اُس کے لئے دان دونوں معاملات میں ہندوستان کے کفّار و مشرکین کے اُصولوں کی ہو بہو نقّالی کو سینے سے لگا رکھا ہے یعنی باپ کے مرنے کے بعد لڑکیوں کو ترکے سے محروم رکھتے ہیں اور لڑکیوں کی شادی کے موقع پر جہیز کا نام لے کر ''دان'' دیتے ہیں۔

اگر لڑکی کو اُس کی شادی کے موقع پر جہیز بھی دیا جائے اور اُس کے باپ کے مرنے پر اُس کا ترکہ (دختری) بھی ملے تو اُس سے بھی ایک دلچسپ پیچیدگی پیدا ہوتی ہے۔ وَھُوَ ھٰذَا:

ایک لڑکی جب تک غیر شادی شدہ ہے اُس کے جملہ اخراجات کا ذمّہ دار اُس کا باپ ہے، باپ نہ ہو تو دادا، دادا نہ ہو تو چچا، چچا نہ ہو تو بھائی وغیرہ اور کوئی بھی نہ ہو تو اِسلامی ریاست باپ کے مرنے کے بعد اُس کو مذکورہ وارثوں میں سے جو بھی عملاً وارث ہوگا، اُس کی کفالت اُسی مال سے کرے گا جو اُسے باپ کے ترکے سے ملا ہے اور اگر یہ مال کافی نہ ہو یا متوفی نے کچھ چھوڑا ہی نہیں تو بحیثیت وارث کے وہ اُس کی کفالت اپنی جیب سے کرنے کا مکلّف ہے۔

جب لڑکی شادی شدہ ہو گئی تو اب اُس کی کفالت اُس کے شوہر کے ذمّے ہوتی ہے۔ اگر وہ مطلقہ ہوگئی تو اُس کے ہاتھ میں ایک طرف مہر کی رقم ہوتی ہے، دوسری طرف اگر باپ زندہ ہے تو اُس کی سرپرستی۔ اور اگر باپ مر چکا ہے تو اُس

کا ترکہ۔ اِس طرح وہ نہ صِرف چندے گزارا کرسکتی ہے بلکہ اپنے طور پر کاروبار بھی کرسکتی ہے پھر نکاحِ ثانی کے لئے آزاد ہے اِس نکاح کا حکم قرآن نے دِیا ہے اور یہ نکاح اُس کی آئندہ کفالت کے لئے مستحکم ضمانت ہے۔

اگر مطلقہ کے پاس کوئی اولاد بھی ہے تو اولاد کی کفالت باپ کے ذمے ہے۔ ماں کے ذمے نہیں۔ خواہ یہ اولاد باپ ہی کے پاس رہے یا باپ کی رضامندی سے ماں کی تحویل میں بطورِ امانت۔

اگر کسی شادی شدہ عورت کے باپ اور شوہر دونوں مر گئے تو پھر عورت کے ہاتھ میں مہر کی رقم کے علاوہ دو وراثتیں ہوتی ہیں ایک باپ کی وراثت دُوسری شوہر کی وراثت رہی اولاد تو اِس صورت میں بھی اُن کی کفالت عورت کے ذمے نہیں، درجہ بدرجہ متوفی کے باپ یعنی یتیم کے دادا، چچا وغیرہ کے ذمے ہے۔

اِس مختصر تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ عورت از رُوئے اِسلام اپنی زندگی کے کسی مرحلے میں کسی کی کفالت کی ذمہ دار نہیں ہوتی جبکہ مرد بلوغ و شعور تک پہنچتے ہی اپنے علاوہ دُوسروں کے اخراجات کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے۔ اِن دُوسروں میں اُس کی بیوی، اولاد، ضعیف والدین، چھوٹے بھائی اور بہنیں سبھی شامل ہیں۔ اِس کے علاوہ بھی مہمانداری اپنے اور لواحقین کے معالجہ اور چھوٹی بڑی تقریبات وغیرہ میں ہر جگہ مرد ہی مکلف ہے عورت نہیں یہی وجہ ہے کہ قرآنِ پاک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر مقرر کرتا ہے۔

اب اگر لڑکی جہیز بھی لے جاتی ہے اور باپ کے مرنے پر ترکہ کا مقررہ حصہ بھی پاتی ہے تو قرآن کا اصل منشاء فوت ہوجاتا ہے یعنی جن مصالح کے تحت اِسلام ترکے میں مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر مقرر کرتا ہے وہ مصالح مجروح

ہوتے ہیں کیونکہ عورت اپنے باپ کے مال میں سے دوبار لے جاتی ہے ایک بار اپنی شادی کے موقع پر جس کی کوئی حد مقرّر نہیں اور دوسری بار باپ کے مرنے پر (جس کی مقدار مقرّر ہے) مرد صرف ایک ہی بار باپ کے مرنے پر مقرّرہ حصّہ پاتا ہے عورت اپنی دوبار کی وصولی کے ذریعے مرد سے کہیں زیادہ حصّہ لے جاتی ہے اس طرح وہ مصالح اور فوائد مجروح ہوتے ہیں جن کے تحت اللہ تعالیٰ نے حصّے مقرّر کئے ہیں۔ یہ افسوسناک صورتِ حال قرآنِ پاک کے اس حکم کی خلاف ورزی کے نتیجے میں رونما ہوتی ہے کہ:۔

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ○

(سُورۃُ النِّساء۔ آیت ۲۹)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ۔''

حقیقت تو یہ ہے کہ سُورۃُ النِّساء کی زیرِ بحث آیات، معاملات کی دیگر بے شمار صورتوں کے ساتھ ساتھ جہیز کو بھی ناجائز، گناہِ کبیرہ بلکہ حرام قرار دے رہی ہیں۔ ہمارے علماء اور مجتہدین کہتے ہیں جس چیز کی ممانعت قرآن سے ثابت ہو وہ حرام ہے تو کیا جہیز کی ممانعت ان آیات سے ثابت نہیں ہوتی؟ اگر ثابت ہوتی ہے تو جہیز کو بھی کیوں حرام قرار نہ دیا جائے؟ کیا اس لئے کہ سلف نے اسے حرام قرار نہیں دیا؟ مگر ہم قرآن کی پیروی کے مکلّف ہیں یا سلف کی پیروی کے؟ بے شک بہترین طرزِ عمل وہ ہے جس کی تائید قرآن سے بھی ہوتی ہو اور سلف کے طرزِ

عَمَل سے بھی لیکن جہاں سَلف اَور قُرآن میں تصادم ہو وہاں سَلف کو اِختیار کریں گے یا قُرآن کو؟ یہ دَلیل کوئی مَعنیٰ نہیں رَکھتی کہ بزرگوں نے اَب سے پہلے اِس آیت کے ذَرِیعے جہیز کی حُرمَت بیان نہیں کی ہے کیُونکہ صَحَابہ کرامؓ کا طَرزِ عَمَل یہ تھا کہ کسی آیت کی مَعنویت جِس وَقت اُن پر عیاں ہوگئی اُنہوں نے اُسی وَقت ''قِبلہ رَاست'' کرلیا اِس کی مُتعَدِّد مِثالیں دِی جاسکتی ہیں۔ اَزاں جُملہ مِہر کے مُعَاملے میں بوُڑھی صَحَابیہ خَاتوُنؓ اَور خَلِیفہ دَومؓ کا مُکالمہ اَور ''فَئی'' کے سِلسِلے میں حضرات صَحَابہؓ اَور خَلِیفہ دَومؓ کا سہ روزہ غَور وفِکر یاد کرلیجئے۔

ہمارے عُلماء حَدِیث '' قصُّوا الشَّوارِبَ وَ اعفُوا اللّحیٰ'' (یعنی مُونچھیں کٹاؤ، داڑھی بڑھاؤ) کی بُنیاد پر شیوِنگ کو حَرام قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ دَلیل ظَنی بھی ہے اَور ضَعِیف بھی (ترمذی) پھر زیرِ بحث نصِ قطعی کی بُنیاد پر جہیز کی حُرمَت کا فتویٰ کیُوں جارِی نہیں کرتے؟

جہیز کی رَسم نے ہِندوستان میں عورتوں کے قتل اَور خوُدکُشی کی وَباء پھیلا رکھی ہے کسی بھی بڑے اَخبار کی ایک سال کی فائل دَیکھ لیجئے۔ پھر کیا اِن پاکستانی مُسلمانوں کی لڑکیاں بالآخر قتل اَور خُودکشِی کی زد میں نہیں ہیں جو شادِی بیاہ میں جہیز کو لازمِی جُزو جانتے ہیں؟ جِس اَحساس وتمیز نے ہمارِی لڑکیوں کو خُودکشِی اَور کرپشن سے باز رَکھا ہے وہ یہ ہے کہ اِس گئے گزرے دَور میں بھی اُنہیں اِن دَونوں کاموں کے حَرام ہونے کا عِلم ہے۔ مگر تا کے؟

اَعداد وشُمار جمع کیے جائیں تو اُن لڑکیوں کی تعداد ہولناک ہے جو صِرف جہیز نہ ہونے کے سبب سارِی زندگی غیر شادِی شُدہ رہ گئیں۔ اِس صُورتِ حال سے کیا کیا پیچیدگیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔ مجُھے تفصِیل میں جانے کی ضرُورت نہیں۔

صاحبانِ عقل و ہوش خود سوچ سکتے ہیں۔ لڑکیاں ۱۵ سال سے لے کر ۲۰ سال کی عمر تک شوہروں کی حاجت مند ہوتی ہیں جبکہ ۴۰-۴۵ سال تک کی لڑکیاں کنواری پڑی ہیں ایک تو جہیز کی لعنت کے سبب دوسرے نظریہ یک زوجگی کے سبب۔

ایک عرصہ سے پاکستانی اور ہندوستانی مسلمان جہیز کو "لعنت" بولتے اور لکھتے ہیں۔ اُنہیں جہیز کو لعنت بولنے اور لکھنے پر کوئی ٹوکتا بھی نہیں۔ اِس کے معنی یہ ہوئے کہ ہمارے علماء اور دانشور تک جہیز کو لعنت ہی قرار دیتے ہیں۔ یہ ایک درست عمل ہے۔ مگر اِس تسلیم شدہ لعنت کو کوئی قوم اپنے اُوپر آپ ہی مسلط رکھنا چاہتی ہے تو اِس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ اپنی رضا و رغبت سے آپ ہی ملعون بنتی ہے، کیونکہ جو فرد یا قوم کسی لعنت میں گرفتار ہو، آخر اُسی کو تو ملعون کہتے ہیں نا! لعنت کے معنی "اللہ کی رحمت سے دُوری" کے ہیں۔ جس کو "اللہ کی پھٹکار" بھی کہتے ہیں۔ اب سوچئے کہ جو لوگ جہیز کو خود لعنت کہتے ہیں اور خود اِس لعنت کو چھوڑتے نہیں، وہ کس مقام پر کھڑے ہیں؟

چند ایک مالدار لوگوں کو چھوڑ کر باقی کوئی جہیز دینے والا رضامندی سے جہیز نہیں دیتا۔ اِس لعنت کے پیچھے ایک رسم کو چھوڑنے کے نتیجے میں بدنامی کا ڈر، اور سب سے زیادہ لڑکی کے لئے اپنے خودساختہ معیار کے لڑکے سے محرومی کا خطرہ اور ایسی ہی چند بیہودہ باتیں ہوتی ہیں تو کیا یہ کوئی اُصول کی بات ہے کہ چند مالداروں کی خاطر پوری قوم کو اِس طرزِ عمل میں گرفتار رہنے دیا جائے۔ جو ایک دوسرے کو ہلاک کرنے کے مترادف ہے؟

دلچسپ بات یہ ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں، جہاں ہر طرح کی لعنت اور برائیوں کو آناً فاناً حکماً ختم کیا جانا چاہیے تھا، ہماری حکومت نے

''بتدریج'' کی بیخ لگائی اِس ''بتدریج'' کا جو حشر ہُوا وہ ہمارے سامنے ہے۔ اُدھر پنجاب کی حکومت زکوٰۃ کی رقم سے اُن عورتوں میں سلائی مشینیں بانٹ بانٹ کر اُنہیں ''اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے'' کی کوششوں میں لگی ہوئی ہے، جن عورتوں کے بارے میں قرآن کا حکم ہے:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ ○

''تمہارے معاشرہ میں جو عورتیں شوہر نہیں رکھتیں
اُن کے نکاح پڑھواؤ''

(سُورۃُ النُّور۔ آیت ۳۲)

اِدھر صوبہ سندھ کی حکومت نے اُن لڑکیوں کے لئے سرکاری طور پر ''جہیز کٹ'' کی اِسکیم تیار کی ہے۔ جن کو بلا جہیز قبول کیے جانے کا اِسلامی حکم نافذ کیا جانا چاہیے تھا۔ حکومتِ پنجاب کا پروگرام ''نکاح بیوگاں'' کی حوصلہ شکنی کرتا ہے اور حکومتِ سندھ کی اِسکیم ''لعنتِ جہیز'' کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔

؏ جو کُفر از کعبہ بر خیزد کجا، ند مُسلمانی؟

❁❁❁❁❁